۱۵ اپریل ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۱۵

اس شمارے میں

اداریہ

چھوٹے کام ہی بڑے کام ہیں

ذاکر صاحب مرحوم کہا کرتے تھے کہ چھوٹے چھوٹے کاموں کی فکر کرو اور انھیں اچھی طرح انجام دو، بڑے کام خود بخود سنبھل جائیں گے۔ اس میں نکتہ یہ تھا کہ پروگرام یا نقشہ کتنا ہی زور دار کیوں نہ ہو، اصل چیز عمل ہے۔ ہمارے ملک میں اس عملی پہلو پر توجہ کم ہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نظریہ سب کچھ ہے، اگر یہ درست ہو تو عمل بھی درست ہو جائے گا۔

ہمارے نزدیک یہ ادھوری صداقت ہے اور دوسری ادھوری صداقتوں کی طرح خطرناک۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ اپنی ذہنی اور اخلاقی صلاحیت کے مطابق کام کرتے ہیں۔ نظریہ کچھ ہو، اس کے مطابق اپنے عمل کی تاویل کر لیتے ہیں اور اپنی کوتاہی کا کوئی نہ کوئی جواز نکال لیتے ہیں۔ برسوں کی غلامی نے لوگوں کو غیر ذمہ داری کا عادی بنا دیا ہے۔ شہریت کا وہ شعور، فرائض کا وہ احساس جو اچھے سماج کے لئے ضروری ہے، عام طور پر کم نظر آتا ہے۔ لوگ ذاتی فائدہ یا اپنے خاندان کا یا برادری کا فائدہ دیکھتے ہیں، شہری ضرورت، قومی مفاد، تہذیب کے تقاضوں، انسانیت کے فرائض کا بس نام ہی لیا جاتا ہے۔ ہندوستان کو روحانیت کا ملک کہا جاتا ہے مگر چھوٹے سے طبقے میں یہ روحانیت ہو تو ہو، عام طور پر لوگ خاصے مادہ پرست ہیں بلکہ پیسے کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ چونکہ آزادی کے باوجود دفتری نظام کی بے مہری اور بے حسی اپنی جگہ موجود ہے بلکہ سرمایہ دارانہ اور صنعتی زندگی کے ساتھ بڑھ رہی ہے، اس لئے عام آدمی اپنے کو غیر محفوظ خیال کرتا ہے، چھوٹے درجے کے کارکنوں کی تنخواہیں کم ہیں، گھر اور خاندان کی ضروریات زیادہ۔ اس لئے ان لوگوں میں بالائی آمدنی کے سلسلے میں احتیاط کا سوال نہیں احتیاج کی مجبوری ہے۔ اوپر کے طبقے میں، خصوصاً ان لوگوں میں جن کے پاس اختیار ہے۔ طاقت نے ہوا و ہوس کے لئے بہت سے راستے نکال دئے ہیں پھر احیا پرست طرزِ فکر نے اور مذہب کے نام پر لوگوں کے عقیدے کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنے والی جماعتوں نے، لوگوں کے عقائد اور جذبات کو اپنے خاص سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی آسانیاں فراہم کر دی ہیں، نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اوپر کچھ پروگرام ہے عمل میں عموماً وہی پرانا ڈھرا رہتا ہے۔ آپ دواؤں کی قیمتوں اور ضروریات کی اشیا کی قیمتوں کو لیجئے۔ اوپر سے قیمت کا تعین ہوتا ہے، عمل کچھ اور ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی کے بہت سے پروگرام، راشننگ کے نظام، امداد باہمی کے کاموں، سب میں جو چکر چلتا رہتا ہے اس سے ہر شخص

واقف ہے۔ حال میں مردم شماری کا کام اسی کی ایک اور مثال ہے اوپر کے افسر حالات کو دیکھ کر مناسب احکام صادر کرتے ہیں۔ انجمن ترقی اردو ہند کا وفد دو دفعہ مردم شماری کے کمشنر سے ملا۔ ہر دفعہ انجمن نے جب لسانی اقلیتوں کے سلسلے میں دشواریوں اور رکاوٹوں کا ذکر کیا تو کمشنر کی ہمدردی کا احساس ہوا۔ جب نیچے کی سطح پر کارکنوں کی غفلت یا کوتاہی کا خطرہ بار بار ظاہر کیا گیا تو کمشنر کو اس کا یقین نہ آیا۔ ان کے چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جو احکام جاری کئے گئے ہیں ان پر عمل کیوں نہ ہوگا۔ مگر ہمارے تجربے نے ثابت کر دیا کہ ہمارے وسوسے بے بنیاد نہ تھے، کمشنر کی خوش فہمی ضرور بے جا تھی۔ بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اوپر کے لوگ حکم دے کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ وہ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ نیچے کی سطح پر عملے کی ذہنی تربیت ہوئی ہے یا نہیں اس میں دیانت کس قدر ہے۔ اگر وہ بدعنوانی کرے تو اسے سزا کا خطرہ ہے یا نہیں۔ اب عملہ یہ اچھی طرح سمجھ گیا ہے کہ وہ جو چاہے کرے اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ پھر یہ عملہ خاص تنگ نظری کا شکار ہے۔ مردم شماری کے سلسلے میں اس کو واضح ہدایات دی گئی تھیں مگر ہمارے پاس جو شکایات آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خاصے بڑے پیمانے پر کارکنوں نے یا تو اردو کی اقلیت کو شمار نہیں کیا، یا زبان لکھنے کے سلسلے میں بجائے لکھوانے والے سے پوچھنے کے اپنی مرضی سے زبان کا خانہ بھر دیا یا پہلے سے یہ سوال کیا کہ تمہاری زبان تو ہندی ہے نا؟ حالانکہ ان لوگوں کا فرض یہ تھا کہ جو لکھوانے والا بتاتا وہی لکھتے، صرف یہ پوچھتے کہ زبان کیا ہے، یہ سوال نہ کرتے کہ زبان تو ہندی ہے نا۔ ان باتوں کا علاج ممکن ہے۔ اور یہ علاج ہونا چاہئے۔ اس علاج کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ علاج یہ ہے کہ اردو کو ان ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ آبادی ہے، سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے، تاکہ کارکنوں کا ذہن اس کے لئے تیار ہو کہ لوگ اپنی زبان اردو لکھوائیں اور پھر ان کے لئے ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا اردو میں انتظام ہو اور عدالتی اور دفتری سطح پر اردو کے چلن کے لئے سہولت ہو۔ ہمیں بہر حال اس کام کو مرکزی حکومت سے کرانا ہے اور ریاستی حکومتوں کو اس پر عمل کے لئے آمادہ کرنا ہے۔ اب جبکہ مرکز میں ایک روشن خیال پارٹی کی بھاری اکثریت ہے، اس ضروری کام میں دیر نہ ہونا چاہئے۔

"ببر شیر کی کہانی" منظر عام پر

اندر جیت لال کی کتاب "ببر شیر کی کہانی" جس پر انھیں حکومت ہند کے محکمہ تعلیم سے "بچوں کا ادب" پر حال ہی میں انعام ملا ہے، منظر عام پر آگئی ہے۔ کتاب میں ببر شیر (قومی جانور) کی عادات وخصائل شکار وغیرہ پر کئی کہانیاں و معلوماتی مواد شامل ہے کتاب جو ستره تصاویر (رنگین وسیاہ) دلکش سرورق بڑھیا کاغذ و چھپائی۔ سائز ۳۰×۲۰ احسن کار فیروز، قیمت چار روپے، ناشر سلوچہ پرکاشن ۵۴ انگک بازار دہلی ۲ سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

• نامہ نگار

اردو مصنفین کو انعامات

لکھنؤ۔ اردو کے چھ مصنفوں کو ان کی تصنیف پر حکومت اتر پردیش نے انعامات دئے ہیں۔

دو ہزار روپے کا انعام ڈاکٹر انوار الحسن کو "اردو کے قومی شاعر" پر ملا۔ دوسرا دو ہزار کا انعام مرتضیٰ نقوی کو "اردو ادب میں سکھوں کا حصّہ" پر ملا۔ اس کے علاوہ حیات وارثی کو "پھول جدا ہیں گلشن کے" پر ڈیڑھ ہزار روپیہ۔ امرت لال ناگر کو "پرانے قصّے نئے انداز پر"، قادر صدیقی کو "قلم" پر اور فرخندہ کو "بچوں کے غالب" پر ایک ایک ہزار کے نقد انعامات ملے ہیں۔

• قومی آواز

گورکھپور میں ایک ادبی نشست

حال ہی میں ایک ادبی نشست زیر صدارت ڈاکٹر احمر لاری منعقد ہوئی جس میں ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اور ڈاکٹر عبد الحق کو حکومت اتر پردیش کی جانب سے عطا کئے گئے انعامات پر مبارکباد پیش کی گئی۔

ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد کی تالیف "ابو الکلام آزاد: فکر و فن" جس پر نو سو روپے کا انعام ملا ہے، کا جائزہ لیتے ہوئے سید فضل امام رضوی، گورکھپور یونیورسٹی نے کہا کہ یہ کتاب مولانا آزاد پر پہلی مستند کتاب ہے جس سے مولانا کے فکر و فن کے مختلف گوشے منظر عام پر آتے ہیں۔

افغان اللہ خاں نے ڈاکٹر عبد الحق کی کتاب "اقبال کے ابتدائی افکار" پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ کتاب اقبالیات میں اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔

آخر میں صدر جلسہ نے ان دونوں حضرات کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے یہ بتایا کہ دونوں کتابوں پر گورکھپور یونیورسٹی نے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی تھی۔

• عبد الرحمٰن

مرزا سعید الظفر چغتائی

فرانسیسی اخبار

۱۔ فگارو

سبھی ترقی یافتہ ملکوں کی طرح فرانس میں اخبار کثرت سے شائع ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے قصبے یا متوسط گاؤں کا اپنا اخبار ہوتا ہے جو زیادہ تر مقامی خبریں چھاپتا ہے اور دور دراز کے اندیشوں سے واسطہ نہیں رکھتا۔ ہر شخص کوئی نہ کوئی اخبار خریدتا ہے۔ سیاسی شعور رکھنے والے باخبر حضرات کئی کئی اخبار خریدتے ہیں تاکہ تازہ ترین خبروں اور مختلف زاویۂ نگاہ کے تبصروں سے آگاہ رہیں۔

فرانس میں اخبار صبح نکلتے ہیں یا سہ پہر کو۔ سب سے زیادہ مشہور اور موثر قدرتی طور پر پیرس کے اخبار ہیں۔ ان میں لی فگارو LE FIGARO، لی پیری زیاں (LE PARISIEN) (پیرس والا) لیومانی تے HUMANITE (انسانیت)، لوروز L'AURORE (صبح صادق) لی کوں با LE COMBAT (مقابلہ) وغیرہ صبح شائع ہوتے ہیں۔ لی موند LE MONDE (دنیا)، فرانس سواز FRANCE SOIR (شام فرانس) وغیرہ سہ پہر یا شام کے اخبار ہیں۔ پیرس کے باہر شائع ہونے والے اخباروں سے میں زیادہ واقف نہیں۔ صرف بوردو کا سیود۔ وشت SUD - OUEST (جنوب مغرب) دیکھنے اور پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔

"پری زیاں" اور "فرانس سواز" جیسے کثیر الاشاعت پرچے جو چھ سات لاکھ چھپتے ہیں، سنسنی خیز فضیحتوں (SCANDALS) اور سستی رومانیت کی بدولت زندہ ہیں۔ "میچ" (MATCH) کو صرف کھیل کود سے بحث ہے۔ لی کوں با "میانہ رو" سیاسی رجحانات (CENTRISTS) کا پرچہ ہے اور اسے نوبل انعام پانے والے فلسفی اور ادیب البر کامیو ALBERT CAMUS نے نکالنا شروع کیا تھا۔ فگارو کی سو سال سے اوپر کی سنجیدہ تاریخ ہے۔ لیومانی تے فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کا سرکاری ترجمان ہے۔ لی موند نے اپنی ثقاہت اور تحقیقات کی بلند معیاری کے باعث اخبار نویسی سے بلند ہو کر تاریخ سازی میں جگہ بنائی ہے۔ اس مضمون میں فگارو کا کچھ تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اہم فرانسیسی اخباروں کا اگلی اشاعتوں میں تعارف کرایا جائے گا۔

فگارو پیرس کا اہم اخبار ہے، اور اس کی اشاعت تین لاکھ سے زیادہ ہے۔ ۱۸۵۴ء میں اسے ایچ ڈی ولے مساں H. DE VILLE MESSANT نے ہفتہ وار طنزیہ اخبار کے طور پر نکالا تھا۔ آج اس طرح کا شہرۂ آفاق فرانسیسی ہفتہ روزہ پرچہ "کنار آں شےنے" CANARD ENCHAINE (پابجولاں بطخ) بطا باخبر علمی اور سیاسی دنیا سے اپنے کمال کی داد پا رہا ہے۔

۱۸۶۶ء میں فگارو ایک سیاسی اور ادبی روزنامہ بن گیا اور موجودہ صدی کے ربع اول میں دنیا کے بہترین روزناموں میں گنا جاتا تھا۔ فگارو نے فرانسیسی صحافت کو ایک خاص مقام بخشا اور کئی نئے زاویے دئے۔

جس کی دوسروں نے بھی تقلید کی۔ فرانسیسی اخباروں میں سرخیوں کی کثرت، اور سنسنی خیزی عام ہے۔ فگارو نے اس روش میں ایک حد تک توازن اور وقار پیدا کیا۔ فگارو ہر اشاعت میں مقالۂ افتتاحیہ EDITORIAL کے بجائے پہلے صفحے کے بائیں اور دائیں جانب علی الترتیب دو کالمی سیاسی اور ادبی مضامین شائع کرتا ہے۔ سیاسی مضمون عموماً لمبا ہوتا ہے اور کسی اور صفحے پر ختم ہوتا ہے۔ ادبی مضمون اسی صفحے پر ختم ہو جاتا ہے۔ ہر کمالے را زوال! فگارو بھی وقت کی تیز گام رو کا ساتھ نہ دے سکا۔ اس کی جوانی گذر چکی، اب بڑھاپا ہے۔ خد و خال تقریباً وہی ہیں۔ مگر تیور اب نرم پڑ گئے ہیں۔

میں ۱۶ر فروری ۱۹۶۳ء کو پیرس پہنچا اور ایک ہفتے بعد فرانسیسی زبان کا دو مہینے کا ایک مخصوص درس لینے بوردو بھیج دیا گیا تھا۔ وہیں میں نے پہلی بار فگارو خریدا اور جہاں تک سمجھ سکا، پڑھ کے سمجھنے کی کوشش کی۔ وسط فروری کی کوئی تاریخ ہوگی، جس کے دونوں سیاسی اور ادبی کالم مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے۔ جنرل ڈیگال نے چند ہی ہفتے پہلے برطانیہ کا داخلہ یورپی تجارتی تنظیم میں نہیں ہونے دیا تھا اور یہ مسئلہ فرانس کے اندر اور باہر تقریباً سارے یورپ میں شدت سے زیر بحث تھا۔ کسی فوجی مبصر، غالباً جنرل ڈیو فرنے معاہدۂ اوقیانوس میں شریک یا مستقبل میں شریک ہونے والے ممالک کے مجموعی اقتصادی وسائل کا جائزہ لیا تھا۔ مبصر نے بڑی شرح و بسط سے جائزہ لے کے نتیجہ نکالا تھا کہ معدنیات کی کمی، خصوصاً تیل کی نایابی کے باعث یہ تنظیم سیاسی وفاق بن جانے کے بعد بھی امریکہ اور روس کے مساوی نہ ہو سکے گی، دنیا میں ان کے بعد اس کی حیثیت تیسری ہوگی۔ اس سے ظاہر تھا کہ مستقبل قریب کی دنیا میں الگ الگ رہ کر موجودہ یورپی ممالک کس شمار قطار میں آسکیں گے، اور ان کی اقتصادی، مالی اور سیاسی تنظیم کتنی ناگزیر ہے۔

میرے ذہن میں فوراً خیال آیا تھا کہ اگر مشرق کے بدبخت ممالک اپنی کوششیں متحد کر سکتے تو کتنی جلد کتنی زیادہ ترقی ممکن تھی۔ تجزیہ بتاتا ہے کہ ہمارے جغرافیائی خطے، مثلاً جنوبی، وسطی اور شمالی افریقہ، شمالی اور جنوب مشرقی ایشیا، لاطینی امریکہ وغیرہ کہیں زیادہ مکمل وسائل کے حامل ہیں اور ان کے ممالک متحدہ بن جائیں تو ظاہر ہے کتنے خوش حال اور طاقتور ہو سکتے ہیں۔

اسی زمانے میں عراق کا پہلا خونی انقلاب آیا تھا جس میں

شاہی خاندان کے جملہ افراد ہلاک کر دئے گئے تھے اور عبدالکریم قاسم نے عنان حکومت سنبھال لی تھی۔ دوسرا تبصرہ اس واقعے سے متعلق تھا لیکن تبصرہ نگار ژیرمانت نے GUERMANTES (جواب مرحوم ہو چکے ہیں) واقعے کی سیاسی حیثیت سے اتنی دلچسپی نہ لی تھی جتنی انسانی یا اخلاقی حیثیت سے۔ انھوں نے نوجوان شاہ عراق اور خاندان کے چھوٹے بچوں کے قتل پر جنگ عظیم اول چھڑنے سے پہلے یورپ میں پیش آنے والے سیاسی قتل یاد دلائے تھے۔ گرانت کے قلم پر فرانسیسی رومانویت کی وہ اصلی روایت کھل کے طاری ہو گئی تھی جو اس قوم کے احساس لطیف، ادبی حیثیت، صنف نازک کے تصور جمال اور کسی منظر رعنائی کے پامال ہونے کی اداس یاسیت سے ترکیب پاتی ہے اور جس عالم سے گزرتے ہوئے شفیق جونپوری مرحوم نے لکھا تھا۔ قیامت ڈھا رہی ہے آپ کی برباد برنائی! گرانت ایک انسانی المیے سے دوچار تھے اور ان کے ذہن میں صدیوں کی پوری تاریخ امنڈ آئی تھی!

فگارو کے اس ادبی کالم کے بعض تراشے میرے پاس محفوظ رہ گئے ہیں، آئندہ ان کا تعارف کرانے کی کوشش کروں گا۔

فگارو کے دفتر سے ایک ادبی ہفتہ وار "فگارو لترریر" LE FIGARO LITTERAIRE بھی شائع ہوتا ہے۔ کچھ دنوں تک اس میں فرانس کے عظیم ادیب اور نوبل انعام پانے والے فرانسوا موریاک FRANCOIS MAURIAC لکھتے رہے ہیں۔ فرانسیسی اکادمی کے ایک قدامت پرست رکن آندرے موروا ANDRÉ MAUROIS کی تحریریں تو ۱۹۶۷ء میں ان کے انتقال کے بعد تک شائع ہوئیں۔ لیکن یہ رسالہ تنہا اخبار کو کوئی ادبی مقام نہیں کر سکا۔ فگارو کا ادارہ سال میں ایک بار عکاسی PHOTOGRAPHY کا انعامی مقابلہ منعقد کرتا ہے اور کچھ کو کچھ مستقل اور کچھ غیر مستقل وظیفے دیتا ہے۔

(صفحہ ۲ سے آگے)

مشفق صاحب کا علمی و ادبی ذوق کافی بلند اور صحافت سے بھی لگاؤ ہے۔ توقع ہے کہ ان کا یہ پرچہ نہ صرف اپنے طبقہ بلکہ ملک و ملت کی بھی بیش از بیش خدمت انجام دے گا۔ ان کا عزم جواں ہے۔ لہذا پرچے کی کامیابی سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ قلت وقت کی وجہ سے یہ سطور قلم برداشتہ لکھی جا رہی ہیں اور سوائے "کتب خانہ خانقاہ نقشبندیہ بالا پور" کے کسی اور سے استفادہ کا موقع نہ ملا جس کی وجہ سے ممکن ہے نادانستہ طور پر کوئی اخبار یا رسالہ رہ گیا ہو یا کہیں کوئی اندراج صحت کے خلاف ہو جس کے لئے معذرت کے ساتھ توقع ہے کہ جو صاحب بھی اس کی نشاندہی فرمائیں گے ان شاء اللہ بعد تشکر آئندہ کسی موقع سے اصلاح کر دی جائے گی نیز بوجہ عدم حصول معلومات "منادی"، "آکولہ" اور "پنچ" کھولاپور اس فہرست میں شامل نہ ہو سکے۔

ثاقب کانپوری

غزل

دست وحشت مرا دامان سحر مانگے ہے
اپنی وسعت کے لئے شمس و قمر مانگے ہے

نقش پا تیرا ہر اک راہ گزر مانگے ہے
تیرا ملنا نہیں آسان، مگر مانگے ہے

جس بلندی سے کبھی جلوہ نمائی کی تھی
وہ بلندی مری پرواز نظر مانگے ہے

اپنی حیثیت غم بھول گئی ہے شاید
میری "تاریکی شب" نور سحر مانگے ہے

اس میں اس چشم تحیر کی خطا کیا ٹھہری
تیری محفل میں اگر تاب نظر مانگے ہے

آرزو کتنی مری حسن طلب ہے اے دوست
اک نیا جلوہ ترا شام و سحر مانگے ہے

جس پہ کرتا ہے ستم آج وہی وقت ستم
تیرے جینے کی دعا شام و سحر مانگے ہے

ہائے کس طرح کی ہوتی ہے ندامت مجھ کو
جب مرا اشک الم تاب گہر مانگے ہے

وہ کہاں اور کہاں میری دعا اے ثاقب
شرم آتی ہے یہ دل اس کو اگر مانگے ہے

مولانا ہادی نقشبندی

برار کے اردو اخبارات و رسائل

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۱۳) "صحیفۂ عثمانی" طلبہ انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں کا علمی ادبی مصور ماہنامہ جو جناب محمد ایوب صاحب صابر کی ادارت اور حکیم خطیب سید شبیر حسین ایلچپوری مرحوم کی نگرانی میں اگست ۱۹۳۰ء سے مارچ ۱۹۳۱ء تک جاری رہا۔ معیاری، علمی ادبی، تاریخی معلوماتی متنوع مضامین ہوتے جن میں اکثر علاقائی مسائل سے متعلق شعری حصہ میں زیادہ تر تبرکات، اعلیٰ علمی کتابت، دبیز کاغذ، بہترین گیٹ اپ ۲۰×۳۰ کے بتیس تا اڑتالیس صفحوں پر فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور میں طبع ہوتا۔ طلبہ و اساتذہ کے ساتھ اکابر برار کے مضامین بھی شامل رہتے۔

(۱۴) "انیس" جناب محمد ابراہیم صاحب شرر بی۔ اے، ایل، ایل، بی ایڈوکیٹ ایلچپوری کو زمانۂ طالب علمی ہی سے علمی و ادبی ذوق اور صحافت سے دلچسپی رہی، "مرقع اردو" کی ادارت کے بعد جنوری ۱۹۳۵ء میں اپنے وطن ایلچپور سے انھوں نے ایک ذاتی علمی ادبی ماہنامہ "انیس" ۲۰×۲۶ کے بتیس تا چالیس صفحوں پر نکالا جو پیپلز انڈیا پریس لکھنؤ میں طبع ہوتا۔ باوجود مختصر ضخامت، کافی متنوع، دلچسپ اور ہر ذوق کی تکمیل کے ساتھ اپنے وزن و مرتبہ میں یہ کسی بڑے معیاری ضخیم پرچے سے پیچھے نہیں تھا۔

(۱۵) "کلام الشعرا" اگست ۱۹۳۶ء میں کھام گاؤں سے ۱۸×۲۲ کے بتیس صفحوں پر حضرت عبدالکریم شائق کھام گانوی مرحوم کی سرپرستی میں عبدالحکیم صاحب ذاکر نے ایک شعری ماہنامہ "طرحی اور غیر طرحی کلام کی اشاعت کے لئے جاری کیا جو خورشید احمدی پریس آکولہ میں طبع ہوتا جس کے سرورق پر یہ قطع درج رہتا۔

عزیز ارباب نکتہ داں ہوں میں
پسند ہر خاص و عام ہوں میں
کلام کے ہیں جو دل سے شائق
انہی کا حاصل کلام ہوں میں

اس میں نوخیز نسل کے معیاری کلام کے علاوہ اساتذہ سخن حضرت حبیب الرحمٰن صدیقی ناطق گلاؤٹھی، حسام کاکوردی، قیصر بڈبیروی، پروفیسر منظور حسین شور، آغا ایلچپوری، خلیل الغوری شائق وغیرہ کا بھی کلام ہوتا۔

(۱۶) "ارمغان" انجمن ترقی اردو بالاپور نے "النقاد" اردو ہفتہ" کے جلسے جو بابائے اردو مولوی عبدالحق وغیرہ کی صدارت میں ہوا تھا دسمبر ۱۹۳۷ء میں ایک علمی ادبی لسانی سہ ماہی مجلہ "ارمغان" جاری کیا جو ۲۰×۳۰ کے چھیانوے صفحوں پر مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں طبع ہو کر دفتر انجمن بالاپور سے راقم کی ادارت میں شائع ہوتا۔ اس کے اجراء کا مقصد علاقائی لکھنے والوں کے مضامین کی اشاعت اور نوخیز نسل کی حوصلہ افزائی تھا۔ جب یہ مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آیا تو بابائے اردو مولوی عبدالحق کے مشورے سے بند کر دیا گیا۔

(۱۷) "بیداری" راقم الحروف نے مرجنوری ۱۹۴۱ء میں مسلم اسٹوڈینٹس فیڈریشن علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار "بیداری" جاری کیا جو ۲۰×۲۶ کے اخباری سائز کے آٹھ صفحات پر نیشنل پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں طبع ہوتا۔ اعلیٰ کتابت و طباعت کے ساتھ ۱۹۴۵ء تک جاری رہا۔ میرے بعد محمود فاروقی بی۔ اے (آنرس)، ایم۔ اے (علیگ) اور ابوالخیر صدیقی بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) نکالتے

مترجم: برہم ناتھ دت

قومی ترانہ

ہندوستان کا پہلا قومی ترانہ جو ہیوم[ٹ] ایک انگریز نے لکھا تھا۔

۱۔ ہند کے سپوتو! کیوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہو
کیا تم کسی دیوتا کی حمایت کے انتظار میں ہو؟
اٹھو، کمر کسو، معروف کار ہو جاؤ!
قومیں اپنے بنانے سے ہی بنا کرتی ہیں!

۲۔ ملک تمہارا ہی ہے خطرے سے دوچار ہو رہا ہے
ہر چند عمل دخل میں تمہارا ہاتھ نہیں
مگر تم گونگے بھی تو نہیں؟ للکارو! اپنے حقوق مانگو
اپنے بنانے سے ہی قومیں بنا کرتی ہیں!

۳۔ تمہاری یہ دولت، تمہارا یہ علم، تمہاری یہ ناپاک کمائی
تمہارے یہ بے معنی خطاب، تمہارے کس کام آئیں گے؟
ان سب کا نعم البدل، مکمل آزادی ہی ہے!
قومیں اپنے بنانے سے ہی بنا کرتی ہیں۔

۴۔ سرگوشیوں میں شکایتوں کا طومار باندھنے والے
خیر کے پردے میں شر کو فروغ دینے والے
ایسے لوگ بگڑاں کو کیا بنائیں گے!
قومیں اپنے بنانے سے ہی بنا کرتی ہیں

۵۔ ہند کے سپوتو، اٹھو معروف کار ہو جاؤ
اپنے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ آنے دو
وہ دیکھو مشرق میں شفق نمودار ہو گیا!
اپنے بنانے سے ہی قومیں بنا کرتی ہیں

ٹ ALLAN ACTVRIAN HUME

سرسید علیہ الرحمۃ اللہ کی چوالیس ویں برسی کے موقعہ پر ۲۷ر مارچ ۱۹۴۲ء کو میں نے اس پرچے کی ایک خاص اشاعت "سرسید نمبر" شائع کی جس میں قائداعظم، بابائے اردو مولوی عبدالحق علامہ سلیمان ندوی، سرعبدالقادر، ڈاکٹر کنور محمد اشرف، پروفیسر رشید احمد صدیقی، پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر خواجہ غلام السیدین ڈاکٹر محمود احمد، پروفیسر محمد حاذق، ابراہیم جلیس اور ڈاکٹر معین احسن جذبی وغیرہ نے اپنے پیامات، مضامین اور شعری تخلیقات کے ذریعہ سرسید کو خراج عقیدت پیش کیا جو تاریخ صحافت میں بارگاہ سرسید میں پہلا نذرانہ تھا۔

میں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں مسلم یونیورسٹی اسکول میگزین "علی گڑھ میگزین" کے علاوہ بھی دوسرے انگریزی و اردو پرچوں کی ادارت کی ہے لیکن ان تمام کا کسی نہ کسی ادارہ سے تعلق تھا۔ بیداری میری ذاتی کوششوں کی تخلیق تھا جسے اس فہرست میں شامل کیا جا رہا ہے۔

(۱۸) "محشر" — جناب محمد ابراہیم صاحب شرار محتاج تعارف نہیں ایک عام جانی پہچانی شخصیت ہے کسے خبر تھی کہ حالات کی تبدیلی، ذہنی و فکری طور پر ایک سولہ سترہ سالہ کامیاب وکیل کو اس درجہ متاثر کرے گی کہ وہ کمرہ وکالت سے ترک وکالت کرکے محراب و ممبر پر وعظ و تلقین کے ساتھ درس قرآن دیتا نظر آئے گا۔ اور صاحب "مرقع" و "امین" علمی و ادبی میدان سے بیک جست مذہبی ماہنامہ "محشر" کے ذریعہ مستقل اسباق سے عربی سکھلانے کا کام لیں گے۔ جنوری ۱۹۵۲ء سے ۱۸×۲۲ کے بتیس صفحات پر آگرہ اخبار پریس آگرہ میں طبع ہو کر یہ مذہبی رسالہ اولاً ایلچپور سے بعد میں مسجد چاند خاں آکولہ سے "محشر پریس" کے قیام کے ساتھ ۱۹۵۹ء تک شائع ہوتا رہا تا آنکہ انجمن اسلام بمبئی نے اپنے مدارس فوقانیہ کے معلم عربی و دینیات کے لئے شرار صاحب کی خدمات حاصل کر لیں۔ "موعظۂ حسنیٰ" کے بعد یہ برار کا دوسرا مذہبی ماہنامہ تھا جو اپنی آٹھ سالہ خدمات کے بعد بند ہو گیا۔

(۱۹) "امین" — "امین" کے ساتھ ڈاکٹر امام خاں صاحب صابر کا تصور لازم و ملزوم ہے۔ گزشتہ انیس سال سے یہ باحوصلہ نوجوان برار میں "امین" کے ذریعہ اردو کا چراغ جلاتے ہوئے خود شباب سے شیب میں پہنچ گیا لیکن اپنی ترقی پسند اسکیموں سے نوجوانوں میں حوصلہ و امنگ کی جوت پیدا کر رہا ہے۔

۱۹۵۲ء سے ۱۷×۲۷ کا یہ چار ورقی ہفتہ وار ہر پنجشنبہ کو پابندی سے پہنچ جاتا ہے۔ پہلے "دکاس لیتھو" میں چھپتا تھا اب "تاج آفسیٹ آکولہ" میں طبع ہوتا ہے۔ "تاج" کے ساتھ امین کے جواں سال، جواں ہمت مالک عطاء اللہ افغانی کا مسکراتا چہرہ نظروں میں گھومنے لگتا ہے جس نے برار میں اردو طباعت و کتابت کا ایسا اعلیٰ معیار قائم کر دیا ہے جس سے ڈاکٹر زور مرحوم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ برار میں اردو دعوت ناموں کا کثرت استعمال عطاء اللہ افغانی کے فنکار قلم کا مرہون منت اور تاج پریس کی کوشش و سہولت ہے۔ خدا کرے کہ صابر و افغانی کا تعاون "امین" کو حیات طویل عطا فرمائے۔

(۲۰) "ہم لوگ" — عبدالصمد جاوید نے آکولہ سے ۱۹۵۵ء میں ۱۷×۲۷ پر "ہم لوگ" جاری کیا۔ جاوید میں جوانی کے ساتھ شوق مطالعہ و مشاہدہ اور خوب سے خوب تر کی تلاش تھی جس نے اسے حالات سے متاثر کئے بغیر اپنی صحافی صلاحیت کے بھرپور مظاہرہ کا موقعہ دیا۔ "ہم لوگ" کے مختصر چار صفحوں میں عطاءاللہ افغانی کی خوشخط کتابت سے وہ سب کچھ آ جاتا جو ایک اچھے اخبار کے لئے ضروری ہے۔

صمد جاوید کی تحریرات، کارٹون اور شعری تخلیقات نے ایسا ماحول بنایا جس نے نوجوانوں میں حوصلہ و امنگ کے ساتھ خودی و خود اعتمادی پیدا کرتے ہوئے عمل کی دعوت دی۔ اس کے اداریہ اکثر ہندوستان کے موقر جرائد نے اپنے کالموں میں پیش کئے لیکن اواخر ۱۹۶۰ء میں جاوید غم روزگار کا متحمل نہ ہو سکا، مسلسل کام نے صحت متاثر کر دی نتیجتاً "ہم لوگ" جاری نہ رہ سکا۔ آج کل وہ روزنامہ "انقلاب" و "خلافت" بمبئی میں کام کر رہے ہیں۔

(۲۱) "جمعیت" — قاضی سید غیاث الدین مرحوم کی سرپرستی اور شری برج لال بیانی آنجہانی کی مالی امداد سے ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو "جمعیت" کا پہلا پرچہ جناب مردان علی خاں صاحب نشاط ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی وکیل کی ادارت میں ۱۷×۲۷ کے چھ صفحات پر محمد عطاء اللہ خان افغانی پرنٹر و پبلشر نے "دکاس لیتھو" میں چھپوا کر دفتر "جمعیت" ہاشم سیٹھ لائبریری آکولہ سے شائع کیا۔

اس پرچے کی اشاعت کے محرک ۱۹۵۶ء کے عام انتخابات تھے جس کے اختتام پر ۱۹ر جولائی ۱۹۵۶ء میں بیالیس شماروں کی اشاعت کے بعد یہ پرچہ ختم ہو گیا۔

(۲۲) "ملاپ جدید" — ۱۹۵۶ء میں ۱۷×۲۷ کے چار صفحات پر حاجی محمد ابوالحسن مرحوم ممبر پارلیمنٹ کی سرپرستی اور جناب حکیم عبدالاحد صاحب رحیم نظمی بھوپالی کی ادارت میں ہفتہ وار "ملاپ جدید" جاری ہوا جس کی طباعت "نیشنل لیتھو آکولہ" اور اشاعت امراوتی سے عمل میں آئی۔

حکیم رحیم نظمی باوجود پیشہ طبابت میخانۂ اردو کے پرانے غمگسار اور کہنہ مشق صحافی ہیں۔ شعری ذوق، علم و ادب سے دلچسپی اور سیاست کی بازیگری ان کی زندگی کا مستقل مشغلہ ہے۔ ان مصروفیتوں کے باوجود پرچہ کی محدود گنجائش میں صحافت کی پوری چاشنی کے ساتھ

علاقائی ضرورتوں کے مطابق حکیم صاحب نے اس میں معنویت و تنوع قائم رکھا لیکن ۱۹۵۸ء میں یہ بھی نذرِ سیاست ہوگیا۔

(۲۳) "پیام" جناب الحاج شیخ احمد صاحب نے اپنی سیاسی ضرورتوں کی تکمیل کی خاطر ستمبر ۱۹۵۶ء میں ۱۷×۲۷ کے چار صفحات پر امراؤتی سے ہفتہ وار "پیام" جاری کیا جو "نیشنل لیتھو آکولہ" میں طبع ہوتا تقریباً دو سال جاری رہا۔

(۲۴) "لیڈر" محمد عطاء اللہ صاحب افغانی مالک "تاج آفسیٹ آکولہ" کا برار کے بیشتر حالیہ مجریہ اخبارات کے ادارہ تحریر و طباعت سے قریبی رابطہ رہنے کی وجہ اکثر انھیں اجرائے اخبار کا جوش آتا رہتا ہے اور شاید "لیڈر" کا اجرا بھی اسی کا نتیجہ ہو۔ بہرکیف ۱۷×۲۷ کا یہ چار ورقی ہفت روزہ اپنی صوری و معنوی حیثیت سے افغانی کی صلاحیتوں کا کامیاب مظہر ہے جو ۱۲/جنوری ۱۹۵۷ء کو جاری ہوکر چند اشاعتوں کے بعد بند ہوگیا۔

(۲۵) "آواز" جناب مشکل افکاری صاحب ایک اچھے شاعر و نثر نگار ہیں۔ جوشِ خدمت میں عوام میں بیداری اور اپنے حقوق کی حفاظت کا احساس پیدا کرنے کی خاطر ہفت روزہ "آواز" امراؤتی سے بلند کی جو ۱۲/مارچ ۱۹۵۸ء سے ۱۷×۲۷ کے چار صفحات پر "نیشنل لیتھو پریس آکولہ" میں طبع ہوکر تقریباً پانچ سال جاری رہی اور نامساعد حالات کا شکار ہوگئی۔

(۲۶) "پرواز" جناب محمد علی صاحب بی۔اے، ایل ایل بی، امراؤتی نے ۱۷×۲۷ کے چار صفحات پر ۱۲/مئی ۱۹۵۸ء کو امراؤتی سے جاری کیا جس کی طباعت "نیشنل لیتھو پریس آکولہ" میں ہوتی چند ماہ جاری رہ کر یہ "پرواز" بھی صحافتی قبرستان میں دفن ہوگئی۔

(۲۷) "منزل" جناب قاضی محمد علی صاحب ایم۔اے، ایل ایل۔بی، ایڈووکیٹ نے جناب محمد ابراہیم صاحب بسمل بی۔اے۔ ایل ایل بی، ایڈووکیٹ کے تعاون سے یومِ آزادی ۱۵/اگست ۱۹۶۰ء کو یہ ہفت روزہ آکولہ سے ۱۷×۲۷ پر جاری کیا۔

مولانا آزاد و تنقیحی قاضی اسکیم ملت کے لئے نقصان رساں اور اردو کی موت کا موجب ہوئی جس کے خلاف دور بلکہ کا تعلیم یافتہ ذی فہم روشن خیال طبقہ متحدہ طور پر سینہ سپر ہوکر میدان میں نکل آیا۔ ان شاہین صفت نوجوانوں کے حوصلوں و امنگوں کے اظہار اور احتجاج کے لئے خصوصی طور پر "منزل" کا اجراء عمل میں آیا جس کی نمائندگی و رہنمائی جواں سال، جواں ہمت قاضی محمد علی کر رہے تھے۔ "منزل" کی پانچ ماہ مختصر زندگی، اس مقصد کی تکمیل کے بعد ۲/جنوری ۱۹۶۱ء کی اشاعت کے ساتھ ختم ہوگئی۔ اس کے اٹھارہ شماروں کے تقریباً یک صد صفحات میں پھیلے ہوئے فکر انگیز اداریہ، مقالہ اور مضامین اسے تنوع و معنویت کے ساتھ گہرائی و گیرائی رکھتے ہیں۔

قاضی محمد علی کی یہ پہلی صحافتی کوشش ان کی ذکاوت، فراست اور ذی علمی کے ساتھ معاملہ فہمی اور حصولِ مقصد میں لگاتار سعی و کوشش کی مظہر ہے۔ ذی احترام خاندان شیوخ باقر شاہ بابا کے اس قابلِ فخر قاضی زادہ سے ملت کو بڑی بڑی توقعات ہیں۔

"منزل" آغاز سے اختتام تک "نیشنل لیتھو پریس آکولہ" میں چھپا جس کے لائق و فاضل مالکین جناب غازی الرحمٰن صاحب بی۔اے، ایل ایل بی و جناب غنیمی الرحمٰن صاحب بی۔اے، ایل ایل بی نہ صرف اس مقصد میں ملت کے ساتھ تھے بلکہ ہر قومی مسئلہ میں شریک اور تقریباً گزشتہ بیس سال سے اپنے پرنٹنگ پریس کے ذریعہ اردو کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور آج تک برار سے جتنے پرچے نکلے تقریباً وہ تمام انھیں کے پریس میں طبع ہوئے۔

(۲۸) "صحیفۂ انجمن" انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں مسلمانانِ برار کی متحدہ و متفقہ عزم و کوشش کی یادگار، واحد قدیم ادارہ ہے جس کی شاندار عمارات، مدرسہ، دار الاقامہ، معمل، اساتذہ کی قیام گاہیں اور وسیع و عریض بازی گاہیں گزشتہ چالیس سالہ مشترکہ سعی و کوشش کی مظہر ہے اور اپنے ساتھ ایک عظیم شاندار تاریخ رکھتی ہے۔ اس ادارہ کا پہلا ماہنامہ "صحیفۂ عثمانی" تھا اور اب صدر و پرنسپل ادارہ جناب محمد حفیظ اللہ خاں صاحب بدر ایم۔اے، بی۔ٹی (اسٹیٹ ایوارڈ) کی توجہ و کوشش سے مارچ ۱۹۴۷ء سے یہ دوسرا ادبی و تعلیمی ششماہی مجلہ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا ہے جس کے نگراں و ناظم جناب غلام کبریا خان صاحب شبلی بی۔ایس سی، بی۔ایڈ اور جناب بدر الدین صاحب انصاری ایم۔اے، بی۔ایڈ، بی۔ٹی، ایچ (علیگ) اور فرائض ادارت طلبہ کا ایک بورڈ انجام دیتا ہے۔

صحیفۂ انجمن ۲۰×۳۰ کے ۱۱۲ صفحوں پر "تنویر پریس لکھنؤ" میں طبع ہوتا ہے جس میں طلبہ و اساتذہ کی علمی، ادبی، تعلیمی و شعری نگارشات اپنی صوری و معنوی ہر حیثیت سے بلند اور لائقِ ستائش ہیں۔ توقع ہے کہ یہ مصور مجلہ بہ پابندی اپنی موجودہ حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے آئندہ بھی شائع ہوتا رہے گا۔

(۲۹) "تعبیر" شیخ رمضان صاحب کا تعلق ایک ایسے پسماندہ گری طبقہ سے ہے جو نہ صرف دینی و معاشرتی لحاظ سے بلکہ تعلیم میں بھی بہت پیچھے ہے۔ یہ اور ان کے احباب چھوٹو چودھری وغیرہ عرصہ سے اپنے اس طبقہ کی خدمت و اصلاح میں مصروف ہیں اور "تعبیر" کا اجرا بھی غالباً اسی مقصد کے تکمیل کی ایک کڑی ہے جو ۱۰/دسمبر ۱۹۶۰ء سے ۱۸×۲۲ کے چار صفحوں پر "آرٹ پریس بمبئی" میں طبع ہوکر آکولہ سے شائع ہوتا ہے۔

(باقی صفحہ ۹ پر)

مراسلات

کلام غالب کا معصر شارح

اردو ادب شمارہ ۳/۴-۱۹۷۰ء میں جناب عبد القوی دسنوی کا مضمون "محمد عبد اللہ - کلام غالب کا ایک ہم عصر شارح" چھپا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے میرے مضمون "کلام غالب کا ایک ہمعصر شارح۔ درگا پرشاد نادر دہلوی" مطبوعہ نیا دور لکھنؤ فروری ۱۹۶۹ء (نیز "تلاش غالب"، ہندوستانی ایڈیشن) کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ نادر دہلوی نے

"غالب کے ۴ شعر کی شرح اپنی تصنیف خزینۃ العلوم مطبوعہ ۱۸۷۹ء میں لکھی ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم کی نومبر ۱۸۷۹ء میں پہلی بار مطبع مفید عام لاہور سے صرف ۲۵۰ جلدیں چھپی تھیں، اس میں لکھا ہے،

"علوم اصول و محسنات شعری کے بیان میں جن کی واقفیت منشیوں اور شاعروں کو ضروری ہے۔"

ضمناً شعراء کا تذکرہ اور انتخاب کلام بھی ہے اور بھی کچھ مطالب اس میں آگئے ہیں۔ لیکن اس میں غالب کے شعروں کی شرح نہیں ہے جیسا کہ میں نے اپنے مضمون میں لکھا ہے۔ اشعار کی وہ تشریح جس کتاب سے لی گئی ہے اس کا نام میں نے "چار چمن" فرض کر لیا ہے اس لئے کہ اس میں چار باب ہیں اور ہر باب کو "چمن" کہا گیا ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا مطبوعہ نسخہ ناقص حالت میں ہے اور اس کی کیفیت مضمون میں لکھ چکا ہوں۔ یہاں اعادہ لاحاصل ہے۔

دوسری بات یہ کہ عبد القوی صاحب نے حاشیے میں خواجہ قمر الدین خاں راقم کی "شرح دیوان غالب" کے گم ہو جانے کا حال "احوال غالب" کے حوالے سے لکھا ہے۔ ۱۹۶۹ء میں بین الاقوامی سمینار کے موقع پر محترمی پروفیسر سید احتشام حسین نے مجھے بتایا تھا کہ راقم کی مذکورہ شرح کا مسودہ دریدہ و بوسیدہ حالت میں انھیں مل گیا ہے اور دھندلا سا خیال یہ ہے کہ ہماری زبان میں بھی اس کا ذکر آ چکا ہے۔ ابھی ۲۱ فروری کو دہلی میں پروفیسر عبد القادر سروری مرحوم سے آخری ملاقات ہوئی تھی تو انھوں نے بھی اس شرح کا حوالہ دیا اور بتایا کہ وہ اسے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ احتشام صاحب اس کے خاص اور اہم حصّوں کے اقتباسات اور کچھ ضروری معلومات اردو ادب میں شائع کرنے کے لئے مرحمت فرما دیں۔

دہلی • نثار احمد فاروقی

غضایری رازی کون تھا؟

جواب میں عرض ہے کہ "کوئی نہیں تھا"! ہاں غضایری رازی ضرور تھا۔ اس کا نام محمود کے دربار کے "قادر الکلام شعرا" میں آتا ہے اس کا یہ شعر بھی بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے۔

کجا شریف بود چوں غضایری بر تو
ز طبع باشد چو نانکہ زر سرخ سفال

عنصری کے اس شعر سے بھی میرے قول کی تصدیق ہوتی ہے

ایا غضایری اے شاعری کہ در دل تو
بجز تو ہر کہ بود ناقص آید و لنگال

امرتسر • برہم ناتھ دت

ثاقب کانپوری کی وضاحت

۱۹۱۷ء میں صفدر مرزا پوری نے اپنی ایک غزل سنائی تھی، جس میں یہ شعر بھی تھا جو اب غالب کے نام سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہو گیا ہے۔

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

مجھے نہیں معلوم کہ یہ شعر کس زمانے میں غالب کے نام سے موسوم ہو گیا۔ اہل نظر اس پر روشنی ڈال کر مجھے ممنون فرمائیں۔

کانپور • ثاقب کانپوری

اخبار و اذکار

رانچی یونیورسٹی میں ڈاکٹر شکیل الرحمان کی آمد

اردو کے معروف ناقد ڈاکٹر شکیل الرحمان کے اعزاز میں بزم ادب (شعبۂ اردو) رانچی کالج رانچی یونیورسٹی کے زیر اہتمام ایک خصوصی جلسے کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت ڈاکٹر وابیس۔ کے بوس صدر شعبہ بنگلہ رانچی یونیورسٹی نے فرمائی۔

جناب ابوذر عثمانی لکچرار شعبۂ اردو رانچی کالج نے ڈاکٹر شکیل الرحمان کا حاضرین سے تعارف کرایا اور موصوف کی ادبی و تنقیدی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر شکیل الرحمان نے اس موقع پر "عہد حاضر اور ادیب کا منصب" کے موضوع پر ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی اور ان حالات و مسائل کا تفصیل سے جائزہ لیا جو آج کے ادب پر اثر انداز ہو رہے ہیں، انھوں نے کہا کہ قدیم اقدار کی شکست و ریخت جہاں ایک حقیقت ہے وہاں اس دور کا ایک بڑا المیہ بھی ہے جس نے آج کے ادیب کو سخت ذہنی و روحانی کرب و اذیت میں مبتلا کر دیا ہے، آج کا ادیب اپنے تہذیبی ورثے سے بیگانہ ہو کر ایک فکری خلا میں بھٹک رہا ہے، ادیب کا بہرحال یہ فرض ہے کہ وہ صحت مند اقدار کے شعور سے بہرہ ور ہو کر انسانیت کے قافلے کو آگے بڑھائے اس سلسلے میں ناقد پر بھی خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو ادیب کو احساس و خیال کی نئی جہتوں سے آشنا کرتا اور اس کے سامنے غور و فکر کے نئے دروازے کھولتا ہے۔

اس موضوع پر پروفیسر سمیع الحق صدر شعبۂ اردو رانچی کالج رانچی یونیورسٹی، پروفیسر رام برکش (شعبۂ ہندی)، ڈاکٹر یوسی جھا (شعبۂ فلسفہ) پروفیسر ابوذر عثمانی اور پروفیسر احمد سجاد نے بھی اظہار خیال کیا۔

• محفوظ عالم رانچی کالج

اردو لٹریری سوسائٹی کے زیر اہتمام یوم اردو

سوسائٹی ہذا کی جانب سے یوم اردو شاندار پیمانے پر منایا گیا۔ قدیر امتیاز لکچرار اردو نے خیر مقدمی تقریر کی۔ جناب نظام الدین ڈپٹی کمشنر پولیس مہمان خصوصی تھے۔ آپ نے اپنی تقریر میں اردو ادب کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ تمام مذاہب، نسلوں اور مختلف فرقوں کی زبان ہے۔ جناب خالد عرفان لکچرار کیمسٹری نے اردو مردم شماری کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ ڈاکٹر ممتاز احمد صدر جلسہ نے اردو کے تعلق سے دستور ہند میں دی گئی ضمانت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اردو داں اصحاب اردو کے دستوری حقوق کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس موقع پر یوم اردو (ساوینیر) جاری کیا گیا۔

• اردو مہاکج

دو ادبی حادثے

گورکھپور یونیورسٹی شعبۂ اردو کی ایک اہم نشست اردو اور ہندی کی دو اہم ادبی شخصیتوں پروفیسر عبدالقادر سروری صدر شعبۂ اردو جموں و کشمیر یونیورسٹی اور راجہ رادھیکا رمن پرشاد سنہا کے انتقال کے سلسلہ میں منعقد ہوئی۔ شعبہ کے اساتذہ اور طلبہ نے ان کی ادبی و نثری کارگزاریوں پر تفصیلی روشنی ڈالی اور ان کی وفات کو اردو اور ہندی ادب کا عظیم سانحہ قرار دیا۔ • نامہ نگار

ڈاکٹر عبدالقادر سروری کی یاد میں

کامٹی۔ ادارہ عوامی ادارہ کی مجلس عاملہ کا ایک خصوصی جلسہ پبلک لائبریری ہال میں ادارہ کے صدر اور انجمن ترقی اردو (ہند) علاقہ ودربھ کے سکریٹری جناب فیض انصاری صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر عبدالقادر سروری سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی و صدر شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی کے انتقال پر ملال پر تجویز تعزیت پیش کرتے ہوئے فیض انصاری صاحب نے ان کی خدمت زبان و ادب، کردار کی بلندی اور انسانیت دوستی کا تفصیل سے ذکر کیا موصوف کو ودربھ کے حامیان اردو سے جو نسبت خاص تھی اس کا بھی تذکرہ ہوا اور ان کے بے وقت انتقال سے اردو زبان بالخصوص صالح تنقید کو جو نقصان پہنچا ہے اس پر فیض صاحب نے بڑے دکھ کا اظہار کیا۔ حمید جمال صاحب لکچرار ربانی ہائر سکنڈری اسکول نے اپنی مختصر تقریر میں سروری صاحب کی جدائی کو ادب میں ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ شمیم نعیمی نے خواہش ظاہر کی کہ اہل حیدرآباد دکن اس فرزند جلیل القدر کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے شایان شان یادگار قائم کریں گے۔ جلسہ راغب کامٹوی کی دعائے مغفرت پر ختم ہوا۔ • صدیقی اختر انصاری

قرارداد تعزیت

جمیع اساتذہ کالج آف آرٹس اینڈ کامرس و طلبائے اردو جامعہ عثمانیہ کا یہ جلسہ پروفیسر عبدالقادر سروری سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ کے سانحۂ ارتحال پر گہرے رنج و ملال کا اظہار کرتا ہے۔

پروفیسر سروری جامعہ عثمانیہ کے قابل فخر سپوت تھے۔ انھوں نے ۱۹۲۷ء میں ایم۔ اے کیا۔ جس کے بعد شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ میں مددگار پروفیسر کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ ۱۹۴۲ء میں شعبۂ اردو میسور یونیورسٹی کی صدارت کے لئے ان کا انتخاب ہوا۔ لیکن ۱۹۴۸ء میں انھیں دوبارہ جامعہ عثمانیہ بلا لیا گیا اور پروفیسر و صدر شعبۂ اردو مقرر ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۶۱ء میں وظیفۂ حسن خدمت پر علیحدہ ہونے کے بعد بھی ایک سال تک یو جی سی پروفیسر کی حیثیت سے کام

کرتے رہے اور پھر ۱۹۶۲ء میں وہ سری نگر منتقل ہو گئے جہاں ان کا صدر شعبۂ اردو و فارسی کی حیثیت سے انتخاب عمل میں آیا۔

سروری صاحب نے ساری عمر درس و تدریس اور تحقیقی کاموں میں گزار دی۔ دکن، حیدرآباد اور جامعہ عثمانیہ سے انھیں عشق تھا۔ پروفیسر عبدالقادر سروری کا اہل حیدرآباد پر یہ بڑا احسان ہے کہ انھوں نے یہاں کے اردو بولنے والوں، ادیبوں اور شاعروں کو احساس کمتری سے نکالا۔ ان کی صلاحیتوں کو منظر عام پر لا کر اردو دنیا سے ان کی اہمیت تسلیم کروائی۔ ڈاکٹر زور اور پروفیسر سروری کا فیضان ہے کہ آج حیدرآباد اردو زبان و ادب کا ایک اہم مرکز بن گیا ہے۔

پروفیسر عبدالقادر سروری نے اپنی انتظامی صلاحیتوں سے جامعہ عثمانیہ کے علاوہ میسور اور کشمیر کے اردو شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔ شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ کی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے وقار میں اضافہ کیا۔ سروری صاحب بلند پایہ ادیب، نقاد اور محقق تھے۔ دکنی ادب کو اردو دنیا سے روشناس کرانے میں انھوں نے بڑا حصہ لیا۔ ان کی بعض کتابیں اپنے خاص موضوعات پر نہ صرف اولین تصانیف کا درجہ رکھتی ہیں بلکہ ان موضوعات پر کوئی اور کتاب اس پائے کی نہیں لکھی گئی۔ قیام کشمیر کے دوران میں انھوں نے کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ مرتب کی تھی جو ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد کشمیر میں اردو ادب کی تاریخ تین ضخیم جلدوں میں مرتب کر چکے تھے۔ کشمیر میں بھی انھوں نے اردو زبان و ادب کو فروغ دینے میں اپنی بہترین توانائیاں صرف کیں۔

پروفیسر عبدالقادر سروری کے انتقال سے اردو زبان و ادب کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور جامعہ عثمانیہ اپنے ایک لائق اور قابل فخر سپوت سے محروم ہو گیا۔ خدا سے دعا ہے کہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• مغنی تبسم

مردم شماری میں بدعنوانیوں کی ملک گیر شکایات

اب جبکہ مردم شماری کی قومی مہم انجام کے قریب پہنچ رہی ہے اور بعض مقامات پر یہ مہم تصدیق کا مرحلہ عبور کر رہی ہے ادارہ "سیاست جدید" کے نام یوپی، بہار اور مدھیہ پردیش وغیرہ سے ایسے مکتوبات و مراسلات کا تانتا بندھا ہوا ہے جن میں صراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ مردم شماری کے بعض کارکنان مردم شماری کے دوران میں لسانی تعصب کا بڑا گندہ مظاہرہ کر رہے ہیں، اردو کی جگہ بھوجپوری جیسی زبان کا اندراج کر رہے ہیں جس کا آئین کے کسی گوشوارہ میں وجود نہیں ہے۔

یہ صورت حال نہ صرف محبان اردو کے لئے بلکہ تمام اہالیان وطن کے لئے باعث تشویش ہے کیونکہ اسی اور اسی طرح کی دوسری بے قاعدگیوں کے ذریعہ دانستہ یا نادانستہ طور پر مردم شماری کے قومی کاز کو سخت صدمہ پہنچایا جا رہا ہے۔

ادارہ سیاست جدید پوری ذمہ داری کے ساتھ اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ قوم کی منصوبہ بندی معیشت کے خواب کی تعبیر کے لئے جہاں نہ صرف یہ ضروری ہے کہ مردم شماری سے متعلق حکام بے قاعدگی سے متعلق تمام شکایات کے ازالہ کے لئے مثبت قدم اٹھائیں، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ دھاندلی اور اندھیر گردی کا مظاہرہ کئے جانے سے متعلق علاقوں میں دوبارہ مردم شماری کے احکام جاری کریں۔

• سیاست جدید

اردو سے متعلق وعدوں کو اب پورا کیا جائے

دیوبند: اردو کاوش کا ماہانہ اجلاس دو روز گذشتہ منعقد ہوا۔ آغاز اجلاس میں "یادِ رفتگاں" کے تحت بنگال کے اردو شاعر پروفیسر وکیل اختر مرحوم اور پروفیسر عبدالقادر سروری مرحوم کی وفات پر گہرے افسوس کا اظہار کیا گیا۔ ایک قرارداد کے ذریعہ وزیر اعظم اور ان کی پارٹی کو عظیم کامیابی پر مبارکباد پیش کی گئی اور توقع ظاہر کی گئی ہے کہ حکومت ہند اب اردو کی طرف توجہ دے گی اور اردو کو وہ جائز مقام دے گی جس کا مسز گاندھی نے وعدہ کیا تھا۔ جناب ندیم الواحدی نے مردم شماری کمیٹی کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ملک کے دوسرے علاقوں کی طرح دیوبند اور اس کے دیہی علاقوں میں بھی سرکاری شمار کاروں نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی ہے۔

• الجمعیۃ

مبارکپور میں شمار کاروں کی بدعنوانی

مبارکپور: مردم شماری سے متعلق برابر شکایت موصول ہو رہی ہیں کہ مردم شماری کرنے والے کرمچاریوں نے مادری زبان کے

اردو گھر فنڈ

چندہ اردو گھر فنڈ یکم اپریل ۱۹۷۰ء تا ۳۱ مارچ ۱۹۷۱ء

نمبر شمار	نام و مقام معطی	رقم چندہ	ذریعہ ترسیل	کیفیت
۱	محترمہ حمیدہ سلطانہ علی منزل کوچہ پنڈت دہلی	۲۰۰۰-۰۰	چیک	[illegible]
۲	ڈاکٹر غلام السیدین صاحب جامعہ نگر	۵۰-۰۰	〃	خود
۳	ڈاکٹر ایم ۔ اے حسن بنیہر دی کیریا ضلع چپارن	۵۰-۰۰	منی آرڈر	〃
۴	ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ اندرا نگر حیدرآباد	۱۰۰-۰۰	〃	[illegible]
۵	پروفیسر ڈی ۔ این ۔ دت کروکشیتر یونیورسٹی	۸۰-۰۰	چیک	[illegible]
۶	جناب سی ۔ آر ۔ چیچی صاحب	۲-۰۰		[illegible]
۷	محترمہ شکنتلا پروہان صاحبہ	۲-۰۰		
۸	جناب کامل بہزادی صاحب	۲-۰۰		
۹	اکھتے کمار صاحب	۲-۰۰		
۱۰	ارشد صدیقی صاحب	۲-۰۰		
۱۱	محترمہ عارفہ حسین صاحبہ	۲-۰۰		
۱۲	جناب محمد شریف خاں	۲-۰۰		
۱۳	محترمہ حفصہ عرب صاحبہ	۲-۰۰		
۱۴	〃 حفیظ بیگم 〃	۱-۰۰		
۱۵	〃 خدیجہ رضوی 〃	۱-۰۰		
۱۶	جناب احمد سعید ندوی صاحب	۱-۰۰		
۱۷	جناب سعید صدیقی ڈی ایچ ۔ آئی ۔ ایل	۲-۰۰		
۱۸	جناب نظام احمد قریشی صاحب	۱-۰۰		
۱۹	جناب فدا عباس صاحب	۲-۰۰		
۲۰	سید شہاب الدین صاحب دسنوی بمبئی	۵۰-۰۰	چیک	خود
۲۱	جناب لالہ رتنا لال صاحب تلوار ، امرتسر	۱۰۰-۰۰	〃	[illegible]
۲۲	جناب لالہ لال چند صاحب مہرہ امرتسر	۵۰-۰۰	〃	

میزان حال　۴۰۵-۰۰

(باقی کالم دوم)

	۴۰۵-۰۰
میزان سابق	۱۵٫۱۹۱-۳۱
کل	۱۵٫۵۹۶-۳۱
رقم چیک جو بنک کیش نہ کر سکا اور چیک انجمن کو واپس کر دیا	۲۲-۵۰
	۱۵٫۵۷۳-۸۱

(باقی صفحہ ۱۲ سے آگے)

پوزیشن رکھتا ہے اور ملک کو ایک ایسے صدر کی ضرورت ہے جو ڈیماکریٹک پارٹی کو واضح طور پر اور بائیں طرف لے جائے تاکہ ان چار طاقتور اداروں ا اپنے آپ کو مضبوط کرنے اور ملک کی تبدیلی کو روکنے کی طاقت کا مقابلہ کیا جاسکے۔

ہمارے یہاں بھی تبدیلی کے لئے فضا سازگار ہے، یہ تبدیلی ضروری ہے۔ اس تبدیلی کو پُرامن طریقے پر لانے کے لئے ملک نے اندرا گاندھی کی کانگریس کو اتنی بھاری اکثریت سے لوک سبھا میں بھیجا ہے۔ اس مضبوط مرکز اور اس کی روشن خیال اور جدید راہ نما سے بجا طور پر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ سماج کے ڈھانچے میں جو خرابیاں راہ پاگئی ہیں انھیں جلد دور کیا جائے گا، اس سلسلے میں دفتر شاہی کی اصلاح ہمارے نزدیک سب سے زیادہ ضروری ہے۔ آج پوری قوم مثبت اقدامات کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔ ان اقدامات میں تاخیر نہ ہونی چاہئے۔ ان میں اقتصادی ڈھانچے میں تبدیلی کے ساتھ تہذیبی تصور میں تبدیلی بھی لانا ہے تاکہ ہماری مشترک تہذیب کے ہر جلوے اور اس کی ہر کرن پر فخر کرنا سبھی کا شعار ہو۔ غریبی کو دور کرنا ہو یا بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنا، غذائی پیداوار بڑھانا ہو یا صنعتی ترقی ان کاموں کے ساتھ مذہبی اور لسانی اقلیتوں کے دلوں سے خوف اور خطرہ دور کرنا ان کے لئے روزگار بہم پہنچانا اور ان کی ترقی کو ملک کی ترقی سمجھنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ اس لئے پرانے بیلوں سے نئے کھیت جوتنے کی امید فضول ہے۔ نئے کام کے لئے نئے قسم کے کارکنوں کی ضرورت پڑے گی۔ جن کا ایمان واقعی جمہوریت، سکولرزم اور سوشلزم پر ہو اور جو صرف زبان سے اس کی رٹ لگانا کافی نہ سمجھتے ہوں بلکہ اس کے فروغ کے لئے اپنی جان کی بازی لگا سکیں۔

تبدیلی کی اس رفتار کو اب کوئی طاقت نہیں روک سکتی: یہ پُرامن طریقے پر لائی جاسکتی ہے اور لائی جانی چاہئے، لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر شاید تشدد کو بھی تبدیلی کی خاطر گوارا کرنا پڑے گا۔ جے پرکاش نرائن جیسے گاندھی وادی نے بھی ایک دفعہ اس خیال کا اظہار کیا تھا۔ فطرت کا قانون بھی یہی ہے۔ یہ تشدد کی حمایت نہیں ہے۔ تبدیلی کی اہمیت اور ضرورت پر اصرار ہے۔

▲

آل احمد سرور

میرا صفحہ

امریکہ کے نظام میں کتنی ہی خرابیاں کیوں نہ ہوں، ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہاں فکر پر کوئی پابندی نہیں۔ وہاں کے اخبار اور رسالے پڑھیے، وہاں کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے، وہاں کے دانشوروں، طلبہ اور اساتذہ سے تبادلۂ خیال کیجیے تو یہ لوگ نہایت فراخ دلی سے اپنے سماج کی خامیوں کا اعتراف کرتے ہیں اگر کوئی شخص ان لوگوں کی برہمی اور بیزاری ہی کو دیکھے تو شاید وہ امریکہ کو جہنم سے بدتر سمجھے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہاں جنت اور جہنم دونوں نظر آتے ہیں بلکہ وہاں کے دانشوروں کی برہمی کا سبب ہی یہ ہے کہ وہ اس جنت اور جہنم دونوں کا راز سمجھ گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جہنم کو جلد سے جلد ختم کیا جائے اور جنت کو عام کیا جائے۔ وہاں کے اخباروں میں نیویارک ٹائمس کو نائب صدر نے کمیونسٹوں کا آلۂ کار کہہ ہی دیا تھا مگر میرے نزدیک یہ ایک لبرل پرچہ ہے۔ اس کے کچھ کارکنوں نے کئی سال ہوئے نیویارک ریویو آف بکس کے نام سے ایک پندرہ روزہ ادبی اخبار نکالا جو اب اپنے معیار کے اعتبار سے انگریزی کے چند چوٹی کے ادبی پرچوں میں شمار ہوتا ہے اور اس کے مضمون نگاروں میں یورپ اور امریکہ کے ذہن کے بہترین نمائندے اکثر نظر آتے ہیں۔ اس کی ۱۱ر فروری ۷۱ء کی اشاعت میں ٹام وکر (TOM WICKER) کی ایک تقریر شائع ہوئی ہے جو اس نے نیویارک کی ڈیموکریٹک پارٹی کے ایک جلسے میں ۱۲ر جنوری کو کی تھی۔ ٹام وکر نیویارک ٹائمس کے ادارتی حلقے سے تعلق رکھتا ہے اور اس نے کینیڈی اور جانسن پر قابل قدر کتابیں لکھی ہیں۔ یہ تقریر "ہماری سیاست" کے عنوان سے ہے اور اس میں ۱۹۷۰ء کے امریکی انتخابات کے نتائج پر غور کرتے ہوئے ۱۹۷۲ء کے صدر کے انتخاب کے مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ وکر کا خیال ہے کہ نکسن سے جو عام بیزاری ہے اس کی روشنی میں اس کا دوبارہ منتخب ہونا بہت مشکل ہے اور ڈیموکریٹک پارٹی کے لئے فضا سازگار ہے بشرطیکہ وہ صدارت کے لئے ایسا امیدوار کھڑا کرے جو امریکہ کی سیاست کی گاڑی کو پرانے ڈھرے پر چلانے کے بجائے موجودہ مسائل کا کوئی حل نکالے۔

جن مسائل کا اس نے ذکر کیا ہے ان میں ویٹ نام کی دلدل سے رہائی، کالوں کے ساتھ بے انصافی کو دور کرنا، یونیورسٹی کی تعلیم میں ایسی اصلاح کرنا کہ وہ موجودہ نسل کے لئے معنی خیز ہو سکے اور فضا کی گندگی کو ختم کرنا ہیں۔ اس کی تقریر کے ایک حصے کا ترجمہ میں یہاں اس لئے دے رہا ہوں کہ اس سے اس کے میلانِ فکر کا اچھا خاصا اندازہ ہو جاتا ہے۔

"مفلس ترین کالے آدمی سے لے کر زیادہ سے زیادہ دولت مند سفید فام شخص تک اور بیچ کے سب لوگوں کی بھی، عام خلش یہ ہے کہ امریکی زندگی شکست سے دوچار ہے۔ اپنی کارکردگی کھوتی جا رہی ہے۔ بڑے بڑے وعدوں اور دولت کے باوجود کام چل نہیں رہا ہے۔

کام کیوں نہیں چل رہا ہے؟ میں اس کے سارے اسباب سے واقف نہیں لیکن شاید میں چند اسباب بیان کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ تبدیلی کی رفتار گولی کی رفتار ہو گئی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کے ان پچیس سالوں میں ٹیکنالوجی کی وجہ سے اس ملک کی ایسی رفتار بڑھی ہے جو ڈیٹرائیٹ میں بننے والی کاروں کی رفتار سے زیادہ تیز ہے اور جس زمانے میں یہ سب ہو رہا ہے ہمارے سارے ادارے بوڑھے ہو گئے ہیں۔ ان کی رگوں میں سختی آگئی ہے اور وہ اپنے بچاؤ کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ میرے نزدیک ان اداروں میں سے چار ایسے ہیں جن کی خاص اہمیت ہے۔ ایک بیوروکریسی (دفتر شاہی) (فیڈرل، ریاستی اور مقامی)، دوسری مزدوروں کی یونین، تیسری کارپوریشن، چوتھے سیاسی جماعتیں۔ یہ سب عمر رسیدہ ہیں، اپنی حفاظت کے لئے حصار بندیاں تبدیلی کے لئے کسی قیمت پر تیار نہیں اور انھیں کی وجہ سے ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہمیں انھیں سے نپٹنا ہے۔"

میں یہ صاف کہنا چاہتا ہوں کہ امریکہ کو بچانے کے لئے اعتدال پسندی لازمی طور پر کوئی خوبی نہیں ہے اور انتہا پسندی لازمی طور پر کوئی خامی نہیں ہے۔

ٹام وکر کے نزدیک سینیٹر مسکی جس کا نام اس وقت ڈیموکریٹک پارٹی کی طرف سے صدارت کے لئے لیا جا رہا ہے، پارٹی میں بیچ کی

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا
REGD-NO-L-922 ۲۹۱۵ فون نمبر R.NO. 2196/57